© rasailojaraid.com

حافظ عباد اللہ فاروقی

گلشنِ راز، اور گلشنِ رازِ جدید

صاحبِ "گلشنِ راز" شیخ محمود آذربائیجان میں تبریز کے قریب شبستر نامی قصبے کے رہنے والے تھے۔ ان کا زمانہ ہلاکو خاں کے عہدِ حکومت کا زمانہ ہے۔ سید امیر الحسینی خراسانی نے شیخ موصوف کو پندرہ سوالات لکھ کر بھیجے تھے جن کے جوابات انہوں نے رقم کر کے بھیج دیے اور بعد میں اپنے پیرِ طریقت شیخ امین الدین تبریزی کے اصرار پر ان جوابات کو گلشنِ راز کے عنوان سے مثنوی کی صورت میں مکمل کر لیا۔

شیخ محمود شبستری کی وفات کے سات سو سال بعد اقبال نے بھی امیر سید حسینی کے سوالات پر طبع آزمائی کی۔ دونوں کے جوابات میں بُعد المشرقین ہے۔ جہاں شیخ محمود نے اپنے دور کے چنگیزی اور ہلاکوئی فتنوں کا مداوا وحدت الوجود اور فنائے ذات میں تلاش کیا ہے وہاں اقبال نے ذہنی غلامی، قومی پسماندگی اور یورشِ دانشِ فرنگ کا علاج شعورِ نفس اور تقویمِ خودی کی لازوال قوتوں میں پایا۔ ان کے برعکس شیخ محمود نفیِ خودی کے قائل ہیں۔ ان کے نزدیک خودی بہت بڑا حجاب ہے جب تک یہ حجاب دُور نہ ہو معرفتِ حق کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ وہ مطلق اور مقید کی بحث میں یہ نظریہ پیش کرتے ہیں کہ کائنات کی ہر شے کا صدور ذاتِ باری تعالیٰ سے ہوا ہے اور یہ سب اس کی طرف لوٹ کر جانے والی ہیں۔ فرماتے ہیں ؎

جہانِ امر و خلق از یک نفس شد کہ ہم آں دم کہ آمد باز پس شد
باصلِ خویش راجع گشت اشیا ہمہ یک چیز شد پنہاں و پیدا

اسرارِ خودی کی اشاعت سے پہلے اقبال بھی اسی خیال کے نقیب تھے لیکن بعد میں دونوں کی راہیں مختلف ہو گئیں۔ تاہم کہیں کہیں دونوں کی فکری مماثلت کی مثالیں ضرور مل جاتی ہیں جس کی بنا پر بعض بزرگوں نے اقبال کے وجودی ہونے پر حکم لگایا ہے۔

بایں ہمہ یہ بات طے ہے کہ دونوں کا فکر اپنے زمانے اور ماحول کی پیداوار ہے۔ شیخ شبستری کا پُرآشوب دور گوشہ نشینی و عزلت گزینی کا مقتضی تھا۔ اس کے برعکس اقبال کے زمانہ میں ملتِ اسلامیہ کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حقوق کی پامالی، اس کی ذہنی غلامی اور دوں ہمتی اس بات کی متقاضی تھی کہ قوم میں جذبۂ حریت، جوش اور ولولہ کے ساتھ احساس خودی پیدا کیا جائے تاکہ وہ اپنی انفرادیت کو قائم رکھ سکے۔ اقبال کے تصورِ خودی کا محرک "انقلاب دیگرے" ہے جیساکہ وہ ان اشعار میں بیان فرماتے ہیں ؎

گذشت از پیش آں دانائے تبریز   قیامت ہا کہ رست از کشتِ چنگیز
نگاہم انقلابے دیگرے دید   طلوع آفتابے دیگرے دید
کشودم از رخِ معنی نقابے   بدست ذرّہ دادم آفتابے

ان ابتدائی سطور کے بعد شیخ حسینی کے سوالات پر اقبال اور محمود شبستری کے جوابات کسی قدر تفصیل کے ساتھ پیش کیے جاتے ہیں۔ پہلا سوال تفکر اور درست و نادرست تفکّر کے بارے میں ہے۔ شیخ محمود کے نزدیک تفکّر سے مراد سیر کشفی ہے استدلالی نہیں۔ مراد یہ کہ مشاہدۂ حقیقت عشق یا وجدان کی بدولت ہی ممکن ہے۔ عقل جو دوبیں ہے، وجود مطلق کے مشاہدہ سے قاصر رہتی ہے۔ ان کے نزدیک تعیّن اور تشخص مشاہدۂ وحدتِ حقیقی میں مانع ہے۔ اس لئے وہ فرماتے ہیں کہ تفکّر جو وسیلہ معرفت ہے وہ یہ ہے کہ سالک اپنے تفرّد ذاتی کو دریائے وحدت میں مستغرق دیکھے۔ جہاں شیخ شبستری نفی خودی کے حامی ہیں وہاں اقبال خودی کی حقیقت پر زور دیتے ہیں اور اس کو وسیلۂ معرفت حق قرار دیتے ہیں ؎

غلامِ ہمّت آں خود پرستم   کہ از نورِ خودی بیند خدا را

شیخ شبستری خودی کی کُلّی نفی کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ جو شخص وجود ممکن سے وجود ذات کو معلوم کرنا چاہتا ہے اس کی مثال ایسی ہے کہ جیسے کوئی شخص روشن آفتاب کو بیابان میں چراغ کی روشنی سے تلاش کرتا ہے فرماتے ہیں ؎

زہے ناداں کہ او خورشید تاباں   بنورِ شمع جوید در بیاباں

اقبال اور شبستری دونوں اس بات پر متفق ہیں کہ حقیقت کُلّی کا ادراک عقل[1] کے ذریعہ سے ممکن

---

[1] قرآن کریم نے اگرچہ بہت سے مقامات پر تدبّر اور تفکّر کا حکم دیا ہے لیکن حقیقت مطلقہ کے ادراک کی نسبت عقل کی حدود کو بھی واضح کر دیا ہے ارشاد ہوتا ہے وما لھم بہ من علمٍ ان یتبعون الا الظن وان الظن من الحق شیاءً (دیکھو) انہیں حقیقت کے متعلق کچھ بھی علم نہیں ہے، وہ محض ظن و قیاس کی پیروی کرتے ہیں اور بلا شبہ ظن و تخمین کچھ بھی فائدہ نہیں دے سکتے۔ (۵۳)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نہیں کیونکہ عقل دوبین ہے اور ممکن اور واجب میں دوئی کا وہم کرتی ہے۔ ممکن اور واجب میں بقول شبستری کوئی فرق نہیں۔ اقبال کے نزدیک خودی اور خدا میں بہ اعتبار وجود کوئی فرق نہیں لیکن بہ اعتبار ذات وہ ایک دوسرے سے متغائر ہیں۔ یہ مغائرت اس لئے ہے کہ خودی کا وجود ممکن ہے اور خدا کا وجود واجب ہے۔

محمود شبستری کے نزدیک حقیقت مطلقہ کا ادراک دل کی آنکھ کا متقاضی ہے جو شخص عقل دور اندیش رکھتا ہے اسے بے حد پریشانی رہتی ہے۔ فرماتے ہیں:

کسے کو عقل دور اندیش دارد　　بسے سرگشتگی در پیش دارد
خرد را نیست تاب نورِ آں روئے　　برو از بہر خود چشمے دگر جوئے

وہ کہتے ہیں چونکہ فلسفی کی دونوں آنکھیں بھینگی ہیں اس لئے وحدت حق دیکھنے سے عاری ہیں۔

دو چشم فلسفی چوں بود احول　　از وحدت دیدنِ حق شد معطّل

اقبال بھی ایک فلسفی کی ناکامی اور محرومی کا نقشہ یوں کھینچتے ہیں۔

بلند بال تھا لیکن نہ تھا جسور و غیور　　حکیم سرِ حقیقت سے بے نیاز رہا
پھرا فضاؤں میں شاہیں ولیکن کرگس وار　　شکار زندہ کی لذت سے بے نیاز رہا

عقل چونکہ ظاہر کی دنیا سے وابستہ ہے اور حواس کی دنیا سے باہر نہیں جا سکتی اس لئے اس سے حقیقت روپوش رہتی ہے۔ عشق ہمیں مکمل حقیقت سے دوچار کر دیتا ہے، شبستری اور اقبال دونوں اس کے حامی ہیں۔ فرق صرف یہ ہے کہ اقبال کے نزدیک فکر اور وجدان میں کوئی اندرونی تضاد نہیں ہے۔ دونوں کی اصل ایک ہی ہے اور دونوں ایک دوسرے کی تکمیل کرتے ہیں۔ فکر حقیقت کو تدریجی طور پر اور اجزا میں تحلیل کر کے بے نقاب کرتی ہے اور وجدان سے حقیقت آنِ واحد میں کُلّی طور پر پیش نظر ہو جاتی ہے۔ اس طرح وجدان حقیقت کے دائمی پہلو پر اور فکر اس کے زمانی پہلو پر نظر رکھتی ہے۔ شیخ شبستری عشق یا وجدان کو عقل سے الگ ایک حقیقت قرار دیتے ہیں۔

اقبال کے نزدیک خودی انفس اور آفاق دونوں کی سیر کرتی ہے اور اسی میں اس کا کمال مضمر ہے۔

شیخ محمود شبستری اگرچہ نظریہ خودی کے قائل نہیں تاہم وہ بھی انسان کو انفس اور آفاق کی سیر کے ذریعے سے کمال حاصل کرنے کی ترغیب دیتے ہیں۔ وہ گلشنِ راز کے دسویں سوال کے جواب میں فرماتے ہیں:

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کتاب حق بخواں از انفس، آفاق[1]

مزین شو باصلِ جملہ اخلاق

فکر کی نوعیت بیان کرنے کے بعد اب اس سوال کا دوسرا جزو جواب طلب ہے۔ یعنی اس کا کیا سبب ہے کہ کسی وقت فکر طاعت ہے[2] اور کسی وقت گناہ؟ شیخ محمود شبستری فرماتے ہیں کہ عقل کا اسماء و صفاتِ الٰہی میں فکر کرنا راہِ طریقت کی شرط ہے لیکن راہ حق میں فکر کرنا محض گناہ ہے۔

در آلا فکر کردن شرطِ راہست

ولے در ذات حق محض گناہست

آگے چل کر فرماتے ہیں کہ عقل کی حدود اسماء و صفات الٰہی تک ہیں، حریم ذات میں وہ بار نہیں پا سکتی۔ اس کے لئے عشق درکار ہے۔

در آں موضع کہ نورِ حق دلیل است — چہ جائے گفتگوئے جبرائیل است

فرشتہ گرچہ دارد قرب درگاہ — نگنجد در مقامِ لی مع اللہ

اقبال اور شبستری دونوں اس نظریے کے حامی ہیں کہ حریم ذات تک پہنچنے کے لئے عقل بے کار ہے، اس کے لئے عشق درکار ہے۔ لیکن اقبال جو وجدان کو عقل ہی کی ترقی یافتہ صورت قرار دیتے ہیں فرماتے ہیں کہ صحیح فکر وہ ہے جس میں عقل اور عشق کا امتزاج پایا جائے۔ چونکہ عقل آفاق سے ہے اور عشق یا وجدان کا تعلق انفس سے اس لئے درست فکر کا تقاضا ان کے نزدیک یہ ہے کہ سالک انفس اور آفاق دونوں میں یکساں فکر کرے۔ ان کے خیال کے مطابق کسی ایک سے صرف نظر کرنا گناہ ہے۔ اس کے برعکس شبستری محض عشق کو اپنے فکر کی اساس قرار دیتے ہیں تاکہ درمیان میں انانیت کے پردے حائل نہ رہیں لیکن اقبال کے نزدیک چونکہ غایت حیات جزو کا کل میں فنا ہو جانا نہیں ہے بلکہ اپنی انفرادیت کو برقرار رکھنا ہے ان کے

---

[1] سنریهم ایاتنا فی الآفاق و فی انفسهم حتی یتبین لهم انه الحق (۴۱: ۵۳) یعنی ہم عنقریب دکھادیں گے اپنی نشانیاں ان کو آفاق میں اور ان کے نفسوں میں حتیٰ کہ یہ بات ان پر واضح ہو جائے کہ وہ ذات پاک حق ہے۔

[2] اس ضمن میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی بھی ملاحظہ ہو:

تفکر ساعۃ خیر من عبادۃ سنۃ (یعنی ایک ساعت کا تفکر ایک سال کی عبادت سے بہتر ہے)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نظریے کے مطابق ایسا فکر جس کی اساس تنہا عشق یا تنہا عقل ہے، گناہ سے تعبیر ہے کیونکہ اس سے استحکام خودی کی دولت کبھی ہاتھ نہیں آسکتی۔ چنانچہ فرماتے ہیں ؎

اگر زیری زخود گیری زبر شو　　خدا خواہی بخود نزدیک تر شو
به تسخیر خود افتادی اگر طاق　　ترا آساں شود تسخیر آفاق

دوسرا سوال علم و دانش کی وسعت اور معنوی ارزش کے بارے میں ہے۔ یعنی وہ کون سا سمندر ہے جس کا ساحل علم ہے اور اس کی تہہ سے کون سے موتی نکلتے ہیں؟

محمود شبستری کا جواب[1] یہ ہے کہ ہستی جو موجودات میں جاری و ساری ہے بمنزلہ سمندر ہے جس کا کنارہ نطق ہے اور حروف و الفاظ بمنزلہ صدف ہیں اور ان صدفوں میں موتی دانش دل ہے جو حقیقت اشیا اور معرفت سے عبارت ہے۔

اس سوال کے جواب میں اقبال اور محمود شبستری دونوں عشق کو معرفت الٰہی یا ادراک حقیقت کا ذریعہ سمجھتے ہیں لیکن دونوں کے خیالات میں نازک سا فرق ہے۔ شیخ شبستری کے نزدیک علم سے مراد عرفان حقیقت ہے اور بحر یا سمندر کا مطلب ہستی مطلق ہے۔ اس کے برعکس اقبال بحر سے انائے مطلق اور علم سے شعور نفس مراد لیتے ہیں۔ اقبال کے نزدیک عرفان حقیقت کے لئے پہلی شرط شعور نفس یا تقویم خودی ہے، اس کے بغیر وجود مطلق کا عرفان محال ہے۔ شیخ شبستری کے خیال میں عرفان حق کی راہ میں خودی بہت بڑا حجاب ہے اور جب تک یہ حجاب دور نہ ہو انسان ییلائے حقیقت سے ہمکنار نہیں ہو سکتا۔ خلاصۂ کلام یہ کہ اقبال کے نزدیک حقیقت مطلقہ انائے مطلق ہے اور انائے مطلق وہ سمندر ہے جس کا ساحل یا علم شعور نفس ہے جس کی بدولت تکثر و تعدد کا ظہور ہو رہا ہے۔ اس کے برعکس شبستری کے نزدیک نہ تو حقیقت مطلقہ انائے مطلقہ ہے اور نہ علم سے مراد شعور نفس، بلکہ اس سے مراد علم حقیقت ہے۔

اب امیر حسینی کا سوال[2] یہ ہے کہ ممکن اور واجب کا آپس میں ملنا کیا ہے۔ قرب و بعد اور بیش و کم

---

[1] محمود شبستری کے اشعار ہیں: یکے دریا است ہستی نطق ساحل　صدف حرف و جواہر دانش دل
بہر موجے ہزاراں دُرِّ شہوار　برون ریزد ز نقل و نص و اخبار

[2] وصال ممکن و واجب بہم چیست؟　حدیث قرب و بعد و بیش و کم چیست

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سے کیا مراد ہے؟

شبستری فرماتے ہیں کہ تو نزدیکی کے باعث دُوری میں پڑ گیا ہے یعنی تجھے علم نہیں کہ حق تعالیٰ نے تجھ میں ظہور کیا ہوا ہے۔ قریب وہ ہستی ہے جس نے نور کی بارش کو پا لیا۔ بعید وہ ہستی ہے جو نور (وجود) سے دور رہی۔ چونکہ ہستی مطلق کا ظہور عدم (یعنی اعیانِ ثابتہ) میں ہے اور وہ بھی ہر ایک کی استعداد کے مطابق۔ اس طرح یہاں سے قرب و بعد و بیش و کم پیدا ہوا۔ اس سوال کا جواب اقبال نے خالص وحدت الوجود کی زبان میں دیا ہے فرماتے ہیں ؎

زمانش ہم مکانش اعتباری است　　زمین و آسمانش اعتباری است

مجو مطلق دریں دیر مکافات　　کہ مطلق نیست جز نور السموات

اور جب بقول علامہ یہ جہان اعتباری ہے تو اُس سے یہ نتیجہ نکلا کہ حق تعالیٰ کے سوا کوئی ہستی موجود نہیں ہے۔ غرض وجود واحد ہے اور وجود واحد حق تعالیٰ کی ہستی ہے۔ لیکن وحدت وجود کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ موجودات خدا ہیں یا یہ کہ حق تعالیٰ نے اشیاء میں حلول کیا ہوا ہے اور نہ یہ مطلب کہ ذاتِ حق مخلوقات سے متحد ہو گئی ہے یا مخلوقات اس سے متحد ہو گئی ہیں۔ ایسی صورت میں ممکن اور واجب کے وصال کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

اب علامہ شبستری قدیم اور محدث کے اس سوال کا جواب دیتے ہوئے کہ قدیم اور محدث ایک دوسرے سے الگ کیسے ہو گئے، فرماتے ہیں کہ قدیم و محدث ایک دوسرے سے جدا نہیں ؎

قدیم و محدث از ہم خود جدا نیست　　کہ از نیست باقی دائماً نیست

شیخ شبستری کے نزدیک قدیم و محدث اور عارف و معروف میں کوئی فرق نہیں ہے۔ اس کے برخلاف اقبال اثبات خودی کے قائل ہیں ان کے نزدیک بندہ کبھی خدا نہیں بن سکتا اس لئے ترقی کی کوئی انتہا نہیں ہے، فرماتے ہیں:

مسافر جاوداں زی جاوداں مر　　جہانے را کہ بیش آید فراگیر

بہ بحرش گم شدن انجام ما نیست　　اگر او را تو در گیری فنا نیست

خودی اندر خودی گنجد محال است　　خودی را عین خود بودن کمال است

امیر حسینی کا سوال ہے ؎

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کہ باشم من؟ مرا از من خبر کُن

چہ معنی دارد" اندر خود سفر کُن"

شبستری اس کے جواب میں فرماتے ہیں کہ جب وجود مطلق کسی نسبت کے ذریعے اس طرح متعین ہو جائے کہ اس کی طرف اشارہ کیا جا سکے تو پھر اسے لفظ "میں" سے تعبیر کرتے ہیں یعنی جب مطلق مقید ہو جائے تو "میں" کا ظہور ہوتا ہے۔ سفر سے مراد یہ ہے کہ انسان اپنی خودی سے گذر جائے اور جزو سے کل کی طرف سفر کرے ؎

چوں ہست مطلق آمد در اشارت　　بلفظ من، کنند از وے عبارت

شیخ شبستری آگے چل کر فرماتے ہیں کہ شرعی احکام کا نفاذ "من" اور "تو" اور جان و تن کی تفریق کی وجہ سے ہے جب انسان نفی ذات کر کے یہ تفریق مٹا دیتا ہے تو شرعی احکام بھی ساقط ہو کر رہ جاتے ہیں۔ جب من و تو کا سوال نہ رہے تو پھر کعبہ کیا اور گرجا کیا ؎

ہمہ حکم شریعت از من و تست　　کہ ایں بربستۂ جان و تن تست

من و تو چوں نماند در میانہ　　چہ کعبہ، چہ کنش، چہ دیر خانہ

اقبال بھی شیخ شبستری کی ہم آہنگی میں فرماتے ہیں ؎

تن و جاں را دو تا گفتن کلام است

تن و جاں را دو تا دیدن حرام است

اقبال کے "سفر در خویش" سے مراد ایک نئی پیدائش ہے جو بغیر توالد و تناسل ظہور میں آتی ہے اور سالک عارف ذاتِ خویش بن کر زمان و مکان پر حکمران ہو جاتا ہے، اس کے اندر فوق الفطرت طاقتیں پیدا ہو جاتی ہیں اور وہ حضرت موسیٰ کی طرح سمندر کا سینہ شق کر سکتا ہے۔ چاند کو دو ٹکڑے کر سکتا ہے اور چشم زدن میں لامکان تک پہنچ سکتا ہے ؎

سفر در خویش؟ زادن بے اب و مام　　ثریا را گرفتن از لب بام

ابد بردن بیک دم اضطرابے　　تماشا بے شعاعِ آفتابے

شکستن ایں طلسم بحر و بر را　　ز انگشتے شگافیدن قمر را

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

امیر حسینی کا سوال[1] ہے کہ کون سا جزو اپنے کل سے زیادہ ہے اور وہ جزو کیسے حاصل ہوتا ہے؟ شبستری اس کے جواب میں فرماتے ہیں کہ وجود وہ کل ہے جو کل یعنی موجودات سے زیادہ ہے کل موجودات اس کے برعکس ہیں۔

وجود آں جزو داں کز کل فزوں است
کہ موجوداتِ کل دین واژ گونست

شیخ شبستری کے نزدیک وجود چونکہ جزو کا ہے اور کل کی کوئی حقیقت نہیں ہے اس لئے بھی جزو کل سے فزوں ہے۔ اقبال فرماتے ہیں کہ خودی، وہ جزو ہے جو اپنے کل سے بڑا ہے یعنی بظاہر خودی کائنات کا جزو نظر آتی ہے لیکن درحقیقت کائنات اس کا جزو ہے۔ بظاہر خودی اس کائنات کے اندر ہے لیکن درحقیقت کائنات خودی کے اندر ہے اور اسی سے برآمد ہوتی ہے۔ اقبال کا یہ نظریہ شیخ شبستری کے نظریہ وحدت الوجود کے خلاف ہے۔ شیخ کے نزدیک موجودات کے اندر وجود حقیقی سرایت کئے ہوئے ہے۔ اقبال اس وجود کو خودی سے تعبیر کرتے ہیں جو مظاہر کل سے زیادہ ہے، زیادہ اس لئے کہ اس کی قوتیں غیر محدود اور لافانی ہیں۔ خودی بظاہر مقید نظر آتی ہے مگر بباطن آزاد ہے ؎

خودی زاندازہ ہائے ما فزوں است — خودی زاں کل کہ تو بینی فزوں است
جز او زیرِ گردوں خود نگر کیست — بہ بے بالے چناں پرواز گر کیست؟

امیر حسینی کا سوال[2] ہے کہ کون سا مسافر رہرو کہلانے کا مستحق ہے اور مرد کامل کسے کہتے ہیں؟

شیخ شبستری اس کے جواب میں فرماتے ہیں کہ مسافر وہ ہے جو جلدی سے گذر جائے (یعنی صفات بشری کے لباس کو اُتار دے) اور اپنے آپ سے صاف ہو جائے جس طرح آگ دھوئیں سے ؎

---

[1] چہ جزو است آنکہ او از کل فزوں است؟
طریقِ جستنِ آں جزو چوں است؟

[2] مسافر چوں بود رہرو کدام است؟
کرا گویم کہ او مرد تمام است؟

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مسافرآں بود کہ بگذر زود | زخود صافی شود چوں آتش از دود
سلوکش سیر کشفی داں ز امکاں | سوئے واجب ترک شین ونقصاں

شبستری کے نزدیک مردِ کامل وہ ہے جو عارف باللہ ہو جس نے اپنی ہستی کو وجودِ مطلق سے متصل کر لیا ہو اور فنائے کلی کے درجہ پر فائز ہو چکا ہو۔ اقبال کے نزدیک مرد کامل وہ ہے جو اپنی خودی کو اس قدر پختہ کرے کہ دیدارالہیٰ کی تاب لا سکے۔ وہ نہ صرف صفات حق کا بلکہ ذات حق کا مشاہدہ کرنے کی اہلیت رکھتا ہے۔ سے

مردمومن در نسازد با صفات
مصطفیٰ راضی نشد الاّ بذات

امیر حسینی کا سوال[۱] ہے کہ انا الحق کس کو کہنا شایاں ہے۔ تمہارا کیا خیال ہے کہ وہ (منصور حلاج) ہرزہ گو تھا؟

شبستری اس کے جواب[۲] میں فرماتے ہیں کہ انا الحق رازہائے پنہاں کا کشف و اظہار ہے۔ حق تعالیٰ کے سوائے کوئی نہیں جو انا الحق کہے۔ میں، ہم، تم اور وہ ایک چیز ہیں کیونکہ وحدت میں کوئی تمیز نہیں ہے۔ جب اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی دوسری ہستی نہیں تو چاہے ہوالحق[۳] کہو یا" انا الحق" سب روا ہے۔ شیخ محمود شبستری کے نزدیک منصور نظریہ وحدت الوجود کا قائل تھا لیکن اس بارے میں اقبال کا موقف یہ ہے کہ منصور وحدت الوجود کا نہیں بلکہ ثنویت کا قائل تھا۔ یعنی وہ انائے مطلق اور انائے انسانی کو دو الگ الگ حقیقتیں تصور کرتا تھا۔ اس بنا پر اس نے انا الحق کہہ کر نفی خودی نہیں بلکہ حق کے ساتھ اثبات

۱؎ کدامی نکتہ را نطق است انا الحق
چہ گوئی ہرزہ بود آں رمزِ مطلق

۲؎ انا الحق کشف اسرار ست مطلق
بجز حق کست تا گوئید انا الحق

۳؎ چو از حق نیست دیگر ہستی الحق
[illegible]

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

خودی کا اعلان کیا تھا۔ مگر اس دَور کے لوگوں نے اس کے مفہوم کو غلط سمجھا اور کلمۂ انا الحق کو وحدت الوجود پر محمول کرتے رہے۔ انا الحق کا یہ مفہوم متعین کرنے کے بعد اقبال فرماتے ہیں کہ جب انسان کو شعور نفس حاصل ہو جائے تو اس وقت اس کا انا الحق (یعنی میں حقیقت ہوں) کہنا عین روا ہے۔

ایک سوال یہ ہے کہ سرِ وحدت سے آخر کون آگاہ ہوتا ہے اور عارف باللہ کس چیز کا شناسا ہے؟

محمود شبستری اس سوال کے جواب میں فرماتے ہیں ؎

کسے بر سرِ وحدت گشت واقف

کہ او واقف نشد اندر مواقف

عارف کا منزل سے شناسا ہونا اور قیام کرنا اس کی موت کے مترادف ہے اور خودی کی نشو و نما اور استحکام مسلسل گردش اور سیر میں ہے۔ اقبال اس جہان کو فانی سمجھتے ہیں لیکن ان کے خیال میں عشق و محبت کی بدولت انسان اپنی خودی کو لازوال اور دوامی بنا سکتا ہے۔

"انسانیت کی تعمیر ایسے اداروں کا ارتقا چاہتی ہے جس میں جسم اور ذہن قوانینِ فطرت کے مطابق بن سکیں نہ کہ ان تعصب بھرے تصورات کے مطابق جو فلسفۂ تعلیم کے مکاتب فکر میں پائے جاتے ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ ہمارے تمدّن نے زندگی کے حالات ایسے بنا دیئے ہیں کہ زندہ رہنا مشکل ہو گیا ہے۔ دَورِ جدید کی شہری زندگی کے تمام افکار و آلام سیاسی، اقتصادی اور سماجی اداروں کی پیداوار ہیں۔ لیکن ان کا سب سے بڑا سرچشمہ ہماری اپنی خامیاں ہیں۔ . . . . واحد علاج یہ ہے کہ ہم خود اپنے متعلق اور زیادہ گہرا علم حاصل کریں"

(الیکسز کیرل)

© rasailojaraid.com